کاروان اخلاق کا پڑاؤ

سید کاظم رضا

انسانوں کی زندگی جس طرح ایک زمین پر ایک سورج کی روشنی ایک حرارت میں مشترکہ طور پر سانس لیتی آنکھ کھولتی اور ملتی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ایک ایسا کامل و مکمل ضابطہ زندگی بھی ہو جس کے برتنے پر باہمی تعلقات خوشگوار تر ہوتے جائیں جس کے بعد رنگ و نسل و قوم وطن کے جھگڑے بکھیڑے نہ پیدا ہوسکیں سارے انسان ایک ملت ایک وحدت میں سموئے دکھائی دیں ظاہر ہے ایسا ضابطہ جو اس انداز اور اس صفت کا ہو اس کی تدوین و ترتیب انسان کے بس کا کام نہیں انسان بڑی محنت سے ایک مکان بناتا ہے بظاہر اس کے استحکام میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا پھر بھی اس کی حیات چند روزہ ہوتی ہے اللہ کی بنائی زمین تو رہ جاتی ہے لیکن انسان کا بنایا مکان نہیں رہتا۔ انسان دوسرے انسان کے لئے دستور بناتا ہے لیکن وہ ایسا آئین ہوتا ہے جو ہمہ وقت بدلتا رہتا ہے یہ ترمیم و تنسیخ بتاتی ہے کہ دستور سازی انسانی کام نہیں بلکہ اس کا کام ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے ضابطہ حیات اس کی طرف سے معین ہونا چاہیے جو خالق فطرت ہے۔ جس نے ناپ تول کر انسان کا مزاج اور اس کی طبیعت بنائی ہے جسمانی امراض کا علاج آج اسی ڈھنگ سے ہوتا ہے کہ پہلے جانچ ہوتی ہے جانچ میں جس عنصر کی کمی یا زیادتی نظر آتی ہے اس کو پھر اعتدال پر لانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔

روحانی امراض کی تشخیص اور اس کا علاج اس سے بھی دشوار تر ہے۔ اس لئے کہ نہ مرض مادی ہے اور نہ مادی تدابیر اس میں کارآمد ہیں۔ تشخیص سے تدبیر تک سارا کارخانہ نظر سے اوجھل ہوتا ہے قانون سازی اگر دنیا والوں کے حوالے ہوتی ہے تو اس میں دانستہ یا نادانستہ غلطی ضرور ہوتی ہے اور کوئی سائنٹفک طریقہ اس غلطی کو روک نہیں سکتا ہے جب کہ عملی کاموں میں ہزار احتیاط پر بھی کبھی مثلاً کوکوکولا کی بند بوتل سے کوئی کیڑا اور بناسپتی کے بند ڈبوں میں چھپکلی یا مرا ہوا چوہا نکل ہی آتا ہے۔ جب مادی موٹے کاموں کا یہ حال ہے تو انسانی ضابطۂ اخلاق اور وہ بھی انسان کو سمجھے بغیر یعنی روح کے انکار کے ساتھ جو مرتب ہوگا کس قدر ناکارہ ہوگا۔ اس کا اندازہ موجودہ انسانوں کی بے چینی سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب کہ ہر قوم کے اعلیٰ دماغوں نے مل کر قومی اور بین الاقوامی قانون بنائے

ہیں۔ البتہ صحیح ضابطہ زندگی صرف مذہب پیش کرسکتا ہے۔ چنانچہ دین اور اسلام کا مقصد یہی ہے کہ ایسا جامع اور حیات بخش ضابطہ اخلاق پیش کیا جائے جو بہرصورت سب کے لئے یکساں اور مفید ہو اور ان ہاتھوں سے پیش کیا جائے جن سے کسی قسم کی خطا کا امکان بھی نہ ہو نیز پیش کرنے والے کی زندگی ہر طرح کیل کانٹے سے درست ہو جو سراپا آئین اور ضابطہ کی تصویر ہو جس کے کردار کی اثر خیزی دوسرے مثالی نمونے تیار کرسکے۔

ممکن ہے کہ ایک سوچنے والا یہ سوچے کہ جب دین مکمل اخلاقی ضابطہ ہے تو ایک دیندار اور مسلمان اخلاقی پستی میں کیوں مبتلا نظر آتا ہے۔ اور ایک بے دین و دہریہ اخلاق کے لحاظ سے کیوں بہتر معلوم ہوتا ہے اور بے دین اخلاق میں بہتر مگر جہنمی اور دیندار اخلاق میں کمزور مگر جنتی آخر یہ کس عدالت کا فیصلہ ہے یہ سوچنا بجا نہیں لیکن فیصلہ کی درمیانی کڑیاں غایب ہونے سے نتیجہ غلط برآمد کیا گیا ہے۔ مجرم بہر طور مجرم ہے خواہ دیندار ہو یا بے دین نیکی بہرحال نیکی ہے خواہ دیندار سے ہو یا بے دین سے جرم کی سزا اور نیکی کی جزا دونوں کے واسطے یکساں ہونے کے باوجود دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک قانون مانتا ہے مگر جرم کا مرتکب ہوا دوسرا قانون کو سرے سے مانتا ہی نہیں۔ قانون کے منکر کو ترحم کی اپیل کرنے کی بھی گنجایش نہیں ہوتی لیکن قانون کے اقرار کرنے والے کے لئے قطعی گنجایش ہے کہ وہ اپنے کیے کے بھگتنے کے مستحق ہونے کے باوجود ترحم کی اپیل کرسکے اور ترحم خسروانہ کے باعث جنت نصیب ہو مگر منکر قانون اپنے افکار کی پاداش میں جہنم کا نوالہ بنے گا۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ است۔

ایک دوسرا سوال یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جب انسانی اخلاق کسی قوم وقبیلہ مذہب وملت کی ذاتی اور خصوصی جاگیر نہیں ہیں بلکہ انسان کی طبیعت میں خود پیدا ہوتے ہیں کیونکہ انسان بحیثیت انسان چند قوتوں کا مالک ہے۔ نفس ناطقہ انسان کے ساتھ دو اور طاقتیں دفاع اور کشش کی ہیں جن کو اصطلاح میں قوت غضبہ، قوت شہویہ کہتے ہیں جن کا کام پسندیدہ اور نفع بخش ضروریات زندگی کا فراہم کرنا اور زندگی کی راہ میں جو رکاوٹیں ہوں ان کو راستہ سے ہٹانا ہے آخری دو طاقتیں انسان کے علاوہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن بے عقل ہونے کی بناء پر اعتدال پر باقی نہیں رہتی ہیں جانور جانور ہی ٹھہرا اپنا پرایا نیک بد جو ملا سمیٹ کر چٹ کر گیا مالک اور دشمن کو پہچانے بغیر سینگ چلادی پنجے اور لات ماردی کاٹ کھایا مار ڈالا زخمی کردیا انسان میں نفس ناطقہ نے ان پر کنٹرول کیا

اپنے ماتحت رکھ کر ان کو بے راہ رو ہونے سے بچایا نفس ناطقہ اور ان دونوں طاقتوں کے صحیح امتزاج سے اخلاق کی چار جنم ماتائیں (امہات الاخلاق) حکمت، عفت، شجاعت، عدالت کے اوصاف پیدا ہوئے بے شمار اخلاقی نسل پیدا ہوئی اور پھیلی یوں اس نامور خاندان انسانیت کی قدروں میں اضافہ کیا غرض کہ جب اخلاق مشترک انسانی دولت ہیں پھر اس کو کسی دین سے کیونکر وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے دین اور حسن خلق دو الگ چیزیں نہیں ہیں حُسن خُلق ہی دین ہے جو انسان کو فضایل سے آراستہ اور رذایل سے پاک کرتا ہے۔ دین ایک ہے اور بس ایک جس کو خدا نے بندوں کی لئے پسند فرمایا جو انسان کی طبیعت سے پوری موافقت رکھتا ہے جس کو خالق فطرت نے خود شناسی اور خدا شناسی کے لئے معصوم ہستیوں کے ذریعہ دنیا میں بھیجا اور بندوں تک پہونچا انسان کی کارستانی سے دین کی یکتائی میں فرق نہیں آیا قرآن میں اگر اپنا کلام ملادیا جائے تو ملاوٹ خود بول اٹھتی ہے دوسرے ادیان کی خامیاں اور اسلام کی خوبیاں بتاتی ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے دوسرے مذاہب کی خامی اور اسلام کی خوبی کو بیان کرنا اس وقت مقصود نہیں پھر بھی اشارے کے طور پر اتنا کہنا ہے کہ بعض مذاہب میں نسلی تفریق ذات کی اونچ نیچ چار ذاتیں اور ہر ذات کے لئے علیحدہ علیحدہ جبری قانون جس میں سرمو فرق نہیں ہوسکتا۔ جیو ہتیا کی ناممکن العمل ممانعت وغیرہ بعض میں تین ایک اور ایک تین کا الٰہی تصور یہ منطقی خامیاں نہیں تو کیا خوبیاں ہیں یہ باتیں صاف بتلاتی ہیں کہ یہ عقیدے انسان کی آپ اپنی اُپج ہیں بر خلاف اس کے اسلام میں ایک بھی ایسی بات نہیں پائی جاتی جسے عقل باور نہ کرے یا فطرت کو انکار ہو۔ دین حسن خلق نبی کا نام ہے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں حضور اکرم سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں آنے کی غرض یہی بیان کی ہے کہ میں خدا کی جانب سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ کاروان اخلاق کے طویل سفر کو جو جناب آدم سے شروع ہوا تھا اس کو آخری منزل تک پہونچا دوں۔ (بعثت لاتمم مکارم الاخلاق) اس ارشاد کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ دین اخلاق کا مکمل ضابطہ جس کی تکمیل اور آخری تدوین میرے ذریعہ ہوگی۔ اس ارشاد کی تفسیر نفس رسول امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمائی دین کی پوری تفصیل کو دو جملوں میں سمیٹ کر بیان فرمایا۔

اللہ کے احکام کی برتری اور بندوں پر مہربانی کرنا دین ہے۔ آج دنیا اپنی عقلمندی سے یہی سمجھتی ہے کہ علم دین اور ہے اور علم اخلاق اور ہے شاید اس بنا پر کہ پابند مذہب اور لامذہب دونوں میں

اخلاقی نشانات پائے جاتے ہیں لیکن یہ مشاہدہ نادانی پر مبنی ہے جس پر عقل ہنسے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ ہزار بگڑے پر انسان اپنی آدمیت کہاں لے جائے گا۔ دین سے گیا گذرا شخص بھی اللہ سے انکار کرنے والا بھی قدرے قلیل وہ علامتیں ضرور رکھتا ہے جس سے اس کی نوع پہچانی جاسکے جس طرح بچپنے سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی شکل بہت کچھ بدلی ہوتی ہے لیکن چہروں کی ساخت قدو قامت سے پتہ لگ ہی جاتا ہے کہ یہ کون شخص ہے اسی طرح درندہ صفت انسان میں بھی کوئی نہ کوئی انسانی خوبی مل ہی جائے گی۔ دیندار اور بے دین کا فرق یوں سمجھئے کہ دین کا صحیح پابند اس تناور درخت کے مانند ہے جو پھل پھول پتوں سے لدا جنت نظر بنا ہوا اور بے دین اس ناکارہ درخت کی طرح ہے جو پھل پھول پتی سے محروم خشک ہونے کے قریب پہونچ گیا ہو اگر دو چار پتیاں ایک آدھ پھل پھول نظر آئیں بھی تو سوائے اس کے کہ درختوں کی برادری میں گنا جائے اور کوئی اس سے فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا۔ معصوم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضور دنیا کے دوسرے ادیان میں بھی اسلام سے ملتی جلتی اچھی باتیں پائی جاتی ہیں تو جواب ملا ایسا ضرور ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بانیان مذہب نے دین الٰہی سے کچھ باتیں لے کر اپنی بہت سی باتیں ان میں ملادی ہیں۔ (ملاوٹ اب انسانی اخلاق بن گیا ہے) ہر مال میں ملاوٹ۔ تعلقات میں منافقت کی ملاوٹ عام ہے تو دین کیوں اس وبا سے محفوظ رہ جاتا اگر دین خالص رہتا تو لاکھوں لوگ دین کے نام سے اپنی دوکان کیسے چمکاتے۔

یہ صحیح ہے کہ اخلاق کسی شخص یا قوم یا نسل کی جاگیر نہیں ہے بلکہ جو بھی چاہے اس سعادت کو حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن بہت بڑا دھوکا ہے کہ ہر شخص ضابطہ اخلاق کی تدوین بھی کرسکتا ہے۔ بیشک ہر درخت سرسبز و شاداب ہوسکتا ہے مگر شجر کاری ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اسی طرح ہر انسان آدمی بن سکتا ہے مگر آدمیت کا گلشن کسی باغبان (الٰہی قانون) کا محتاج ہے جو روش کو بگڑنے نہ دے خود رو درخت بھی ہوتے ہیں۔ انسان اپنے لئے قانون بھی بناسکتے ہیں مگر جنگل جنگل ہے گلشن گلشن ہے بغیر محافظ انسانی اخلاق کے مفید اور نازک پودے بری عادات کے جھاڑ جھنکاڑ میں اس طرح گم ہوجاتے ہیں کہ ایک شرابی یا ایک زانی یا ایک گویا یا ایک چور خوشی سے برے کام کرتا ہے۔ ایک زنانہ موچنے سے بال کی کھونٹیاں اس خوشی سے چنتا ہے جیسے وہ بڑے ثواب کا کام انجام دے رہا ہے عورت کے لباس اور خاص زیور سے آراستہ ہوکر بخیال خود وہ عورت ہی بن جاتا ہے۔ جائزہ لیجئے تو آج کتنی برائیاں انسان کے نصاب حیات میں داخل ہیں جن کو حسن اخلاق میں شمار کرلیا گیا ہے یہ سب

خداناشناسی اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا نتیجہ ہے۔ انسان اگر اللہ کے ضابطہ اخلاق پر چلتا اور دین الٰہی اختیار کرتا تو بری عادتیں طبیعت ثانیہ نہ بنتی اور ناپاک ارادے پورے نہ ہوتے اس پر بھی اگر کوئی شخص دین کے باغیوں کی تعریف کرتا ہے تو عقل و دانش بباید گریست بتلایئے کہ ایک ایسا شخص جو چوری کر کے، ڈاکہ ڈال کر روپیہ اکٹھا کرے پھر اس روپیہ سے بیوہ، یتیموں، فقیروں کی امداد کرے اسپتال خیرات خانے اسکول و کالج کھولے کیا یہ نیکی کے کام جو جرم کی بنیاد پر انجام دیئے گئے جائز ہوں گے! دین تو کیا دنیا کے قانون میں بھی ایسا شخص مجرم ہی قرار پائے گا ایسے آدمی کے ہاتھ چومنے کے بجائے یقیناً کاٹنے کے قابل ہوں گے اس لئے کہ اس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ضابطۂ اخلاق کی توہین کی معلوم ہوا کہ قانون فطرت پر چلنا وفاداری اور قانون کا اپنے ہاتھ میں لینا بغاوت ہے اللہ کی طرف سے جو دین کے رہبر آئے انہوں نے اپنے کردار کو پیش کر کے سارے اخلاقی نشیب وفراز سے دنیا کو واقف کر دیا بہت ممکن ہے کہ اس مقام پر یہ نکتہ اٹھایا جائے کہ جب اسلام مکمل ضابطہ اخلاق ہے تو پھر امت مسلمہ بقول پیغمبرؐ تہتر فرقوں میں کیونکہ بٹ گئی اس کا جواب اسی ارشاد میں ہے کہ ان میں ایک ہی فرقہ برحق ہوگا باقی خلاف حق ہوں گے یعنی میں نے ایک ہی طریقہ چھوڑا ہے اس پر باقی فرقے اسلام کے نام پر بنائے جائیں گے۔ آج انہیں باطل فرقوں کی بدولت اسلام کے دشمنوں کو کیا کیا کچھ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا حب کہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام رسول اکرمؐ کے اخلاق سے پھیلا۔

بعثت سے ۱۳ سال تک کی زندگی جو حضورؐ کی مکہ میں بسر ہوئی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی آپ نے تلوار اٹھائی ہرگز نہیں ہر طرح کی اذیتیں کفار سے پہونچیں غم اٹھائے خون جگر پیا اور بجائے تلوار کے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتے رہے کہ میرے مالک اس قوم کی ہدایت فرما۔ یہ میرے مرتبہ سے واقف نہیں ہیں مدینہ میں جب ہجرت کر کے سکونت پذیر ہوئے تو انصار کی طاقت ہاتھ لگی لیکن اس اضافہ طاقت کے بعد بھی یہ نہ سوچا کہ چلو چل کر دشمنوں سے بدلہ لیں برخلاف اس کے دشمن اب بھی لڑنے کی فکر میں تھے۔ آخرکار لڑنے کے لئے مدینہ پہونچ ہی گئے۔ کیا حضور اکرمؐ اب بھی حفاظت خود اختیاری سے کام نہ لیتے۔ معلوم ہوا کہ رسول کا جہاد مدافعانہ جہاد تھا۔ لیکن آپ کے بعد بنام جہاد جو چڑھ چڑھ کر مسلمانوں نے لڑائیاں لڑیں اور فتوحات حاصل کیں۔ غنیمت ہاتھ لگی روز بروز سلطنت میں توسیع ہونے لگی تو اس نے دشمن کی زبان سے کہلایا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ قولوا لا الہ الا

الله تفلحوا کو تلوار کہیئے یا سپر یہی رسول کے ہاتھ میں ہمیشہ رہی۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اعلان نبوت سے پہلے ہی اپنے اخلاق کا کلمہ دشمنوں سے پڑھوالیا سب نے یک زبان ہوکر صادق و امین کہا۔ جب بعثت کے پہلے دن آپ نے صدق و امانت کا اقرار لیا اس کے بعد آپ نے پورے تبلیغی عہد میں اخلاق کی حدیں اپنے کردار سے معین کیں۔ محاسن اخلاق نبی ایک دو نہیں ہزاروں ہیں اگر فہرست لکھی جائے تو اس کے لئے صفحات درکار ہیں حقیقت یہ ہے کہ علماء نے جو نبی کے محاسن اخلاق شمار کیے وہ اپنے سمجھنے کے لئے اپنی سمجھ بھر ورنہ خلق رسول کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا امیرالمؤمنین جیسے عارف سے جب کسی نے سوال کیا آپ اخلاق نبوی بیان کریں تو آپ نے فرمایا تو پہلے دنیا کی چیزوں کو گنوادے اس نے حیرت سے جواب دیا یہ کہاں ممکن ہے کہ میں تمام دنیا کی چیزوں کو شمار کرسکوں آپ نے فرمایا تم دنیا کی چیزوں کے شمار کرنے سے عاجز ہو حالانکہ خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ دنیا کی پونجی مختصر ہے۔ (قل متاع الدنیا قلیل) تو قلیل کے بیان کرنے سے معذور ہے اور مجھ سے حضورؐ کے اخلاق کو بیان کرنے کی خواہش کرتا ہے حالانکہ اس کو اللہ نے عظیم کہا ہے (انک لعلی خلق عظیم) انسان کے اخلاق تو ہمیشہ سے ظہور میں آتے رہے لیکن کسی خلق کی آخری حد کیا ہے اس کا پتہ صرف رسول اکرمؐ کی سیرت اور کردار سے چلا مثلاً دو چار واقعات ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں۔

۱۔ بعثت سے پہلے جب کعبہ کی عمارت کی تجدید کاری ہوئی اور وہ موقع آیا کہ حجر اسود اپنے مقام پر نصب کیا جائے تو اس عزت و سعادت کے حاصل کرنے کے لئے ہر قبیلہ آگے بڑھا عرب کی جاہلی جنگجو ذہنیت خوشی سے یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ دوسرے بھائی کے حق میں خود دستبردار ہوجائے نتیجہ میں نزاع بڑھا۔ لوگ لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے قریب تھا کہ تلوار سے حصہ بٹنے لگے آخر حکم پر سب کا اتفاق ہوا وہ بھی تغافل سے کہ جو پہلا شخص نمودار ہو ہمارے درمیان حکم بنے گا۔ خدائی انتظام کہ حضورؐ سامنے سے آتے دکھائی دیئے اور حکم قرار پائے حضور اکرمؐ نے نہایت خوبصورتی سے سنگین معاملہ کو رفع دفع کیا چادر بچھائی، حجر اسود رکھا اور تمام قبیلوں کو آواز دی کہ اپنے اپنے سرداروں کو بھیجو سرداران قبائل آئے سب نے چادر میں ہاتھ لگایا ایک ایک گوشہ تھام کر اٹھایا جب نصب کرنے کی جگہ تک چادر پہونچی تو آپ نے حجر اسود کو چادر سے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کردیا جہاں خون کی ندی بہنے والی تھی وہاں حضورؐ کے بدولت کسی کی تکسیر تک نہ پھوٹی سب کی بات بھی رہ گئی اور حجر اسود

کی حرمت بھی کم نہ ہونے پائی قبائلی جذبات جو شعلہ بن رہے تھے ان کو شبنم بنادیا۔ یہ ضرور طے ہوا تھا کہ جو شخص پہلے نظر آئے گا اس کو حکم بنائیں گے مگر جب پہلے شخص حضور نکلے تو سب کی زبان سے برجستہ نکلا اس سے عمدہ حسن اتفاق ممکن نہیں۔ آپ پر سب کو اتفاق تھا اور کسی کو احساس نہ ہوا کہ آپ بھی کسی قبیلہ کی فرد ہیں بلکہ سب نے آپ کو اپنا سمجھا سن والوں کی موجودگی میں ایک کمسن پر سب کی نظر جمی اللہ اللہ حکمت، عدالت اور فراست کس پیمانہ پر تھی کہ ایک چادر سے سب کی مراد وابستہ کردی کسی ایک کا ہاتھ حجر اسود میں نہ لگنے پایا خود اٹھایا خود رکھا اللہ کا کام کیا مگر اس طرح کہ سب کا نام ہوگیا۔

۲- عفو و درگذر کی دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی مثال مل سکتی ہے کہ ایک دشمن عورت گھر کا کوڑا کرکٹ جمع کرکے روز اس انتظار میں بیٹھتی تھی کہ جب آپ ادھر سے گذریں تو سر پر کوڑا ڈالوں اس کے باوجود آپ حسب معمول اسی طرف سے گذرتے رہے حلیم سے حلیم انسان ہوتا تو دو ایک مرتبہ صبر کرنے کے بعد راستہ چھوڑ دیتا لیکن آپ شرارت کے کس بل دیکھتے رہے جانتے تھے کہ دشمن کہاں پر مار کھائے گا اور شرارت کا گھوڑا کہاں پر رام ہوگا۔ آخر ایک دن جب راہ سے گذرتے ہوئے سر پر کوڑا نہ پڑا تو وہیں ٹھہر گئے دوسرا کوئی ہوتا تو کوڑا نہ آنے پر خوش ہوتا اور خوش خوش گذر جاتا لیکن حضور نے پوچھا کہ وہ بڑھیا کیا ہوئی جو سر پر کوڑا پھینکتی تھی لوگوں نے بتایا کہ وہ گھر میں بیمار پڑی ہے۔ یہ خوش ہونے کا مقام تھا کہ دشمن تکلیف میں مبتلا ہوا اگر حضورؐ کے علاوہ دنیا کا کوئی اور شخص ہوتا تو شکر بجالاتا کہ موذی اپنی سزا کو پہونچا۔ لیکن آپ نے اس کے مکان کا رخ کیا عداوت کے قصد سے نہیں بلکہ عیادت کے ارادے سے دروازہ پر پہونچ کر دستک دی۔ آواز آئی کون؟ فرمایا محمدؐ۔ چور کا دل تھا نام سنتے ہی اس نے کہا اب ایسے وقت مجھ سے بدلہ لینے آئے ہو کہ بیمار پڑی ہوں۔ مجسمہ خُلق نے جواب دیا نہیں بدلہ نہیں احوال پرسی کے لئے آیا ہوں۔ اس فقرہ نے دشمنی کی شہ رگ کاٹ دی سوچ میں پڑگئی کہاں میری گستاخی اور کہاں یہ ہمدردی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا رسولؐ گھر میں پہونچے مزاج پرسی کی آپ نے فرمایا طبیب کی ضرورت ہو تو اسے بلالاؤں دوا چاہیے تو دوا لادوں۔ اگر تیماردار مطلوب ہو تو خود حاضر ہوں۔ یہ مہربانی رافت و رحمت کے جملے مردہ روح میں جان پھونک رہے تھے۔ شرمندگی کا پسینہ برابر پونچھ رہی تھی اور ضمیر دھلتا جارہا تھا۔ ایک مرتبہ بیساختہ زبان سے نکلا آپ بیشک خدا کے سچے رسول ہیں مجھ گستاخ کو کلمہ پڑھائیں۔ لیجئے بات دشمنی سے شروع ہوکر

دوستی پر تمام ہوئی کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ اس ایک واقعہ سے عفو حلم ضبط استقلال غریب نوازی تبلیغ و ہدایت و حکمت کے کتنے نقش ایک ساتھ ابھرے جو تب تک باقی رہیں گے جب تک احساس کی دنیا باقی ہے۔

۳- حاتم طائی کی لڑکی اپنے قبیلہ کے ساتھ قید ہو کر آئی ہے حضور اکرمؐ سے کہتی ہے میں قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ فریادرس، خطاپوش، بھوکے کو شکم سیر کرنے والا اور غریبوں کا خبر گیر تھا جو پہلے سلام کرنے والا تھا۔ جس نے اپنے در سے کسی حاجتمند کو کبھی واپس نہیں کیا اگر مناسب ہو تو میرے باپ کی خوبیوں کی بناء پر میرے ساتھ مراعات فرمائیں اور مجھے آپ عرب کے قبیلوں میں رسوا ہونے سے بچالیں حضور اکرمؐ نے سن کر فرمایا یہ مؤمن کی خوبیاں ہیں جو تو نے اپنے باپ کے لئے بیان کی ہیں اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس کے واسطے رحمت طلب کرتے پھر حکم دیا اسے آزاد کر دو اس لئے کہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو عزیز رکھتا تھا اور اللہ خوبیوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر کافر میں بھی اخلاقی خوبیاں ہیں تو وہ قابل قدر ہے۔ پھر اگر مومن اس زیور سے آراستہ ہو تو اس کی خدا و رسول کے سامنے کتنی زیادہ عزت ہوگی دوسرے جب کافر باپ کی بیٹی باپ کے حق میں آزادی حاصل کرتی ہے تو مومن کی اولاد خوش اعمال نیک معاش و معاد ماں باپ سے کیونکر نہ فیضیاب ہوگی۔ حضور نے اخلاق کے نام پر حاتم طائی کی لڑکی کو چھوڑ کر بتایا کہ اسلام صرف اخلاق پسند نہیں بلکہ عین اخلاق ہے اس امر کی طرف بھی واقعہ کا اشارہ ہے کہ مومن کی اصلی خوبیاں کافروں میں منتقل ہو جاتی ہیں اور وہ محض نقالی سے نیکی کا فائدہ اٹھا لیتے ہیں لیکن ان کا یہ فائدہ دنیا تک ہی محدود ہوتا ہے اگر حاتم مومن ہوتا تو دعا کا مستحق ہو کر آخرت کا بھی فائدہ اٹھاتا اوپر کی مثالیں عدالت، حکمت، عفت اور ان سے پیدا ہونے والے شعبوں کی تھیں۔

آخر میں شجاعت کی انوکھی صورت ملاحظہ فرمائیں: اسلام میں حضرت علیؑ سے شجاع تر کوئی نہیں گذرا ہمیشہ میدان آپ کے ہاتھ رہا آپ کے نام سے شجاعان عرب کے زہرے آب آب ہوتے تھے کفار کے دلوں پر ہیبت بیٹھی تھی آج تک نام میں یہ تاثیر ہے کہ اگر زبان پر آجاتا ہے تو بے حس انسان میں بھی حرارت و حرکت پیدا ہو جاتی ہے نعرۂ حیدری ہزار بموں کی طاقت رکھتا ہے۔ ایسا بہادر اور شجاع جس نے تلوار سے بھی مظاہرہ شجاعت کیا اور ننگی تلواروں میں بستر رسول پر سو کر بھی مظاہرہ شجاعت کیا ایسی مسلم ہستی کا یہ فرمودہ ہے کہ جب جنگ خوفناک شکل اختیار کر لیتی اور اس کی آگ

سب کو اپنے شعلوں میں گھیر لیتی ایک لشکر دوسرے لشکر سے گتھ جاتے تھے تو ہم رسول کی پناہ لیتے تھے۔ اس وقت حضورؐ دشمن سے نزدیک تر ہوتے تھے۔ اس شجاعت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ علی جیسے اشجع الناس کو جب پناہ لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ حضور اکرمؐ کو اپنی پناہ گاہ قرار دیتے تھے یہی نہیں بلکہ رسول کی بے خوفی اس حد تک پہونچی تھی کہ خوفناک صورت میں آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوتے جاتے تھے صفت یہ کہ کسی جنگ میں نہ آپ نے تلوار چلائی نہ کسی کو قتل کیا امیرالمؤمنین تو ذوالفقار سے جنگ فرماتے تھے۔ مگر حضور کو اسلحہ سے بھی کوئی غرض نہ تھی پھر کس قیامت کی شجاعت تھی کہ دشمن کے سامنے ڈٹے رہتے تھے دشمن سے قریب ہونا سب سے بڑے شجاع ہونے کی دلیل ہے دشمن ظاہر ہے سب سے زیادہ آپ کی جان کے خواستگار تھے مگر آپ کا اسلحہ سے بے نیاز ہوکر دشمن سے قریب تر ہونا آپ کی بے مثال شجاعت کی دلیل ہے اور سامنے ہوتے ہوئے بلکہ قریب تر ہونے کے باوجود دشمن ہمیشہ عاجز و درماندہ بے دست و پا رہے اور کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ ان مثالوں سے رسول کا جامع اخلاق ہونا واضح ہے اور اقرار کرنا ہوگا کہ محاسن و مکارم اخلاق کو حضور نے اپنے کردار سے تکمیل کی حد تک پہونچایا اسلام ہی وہ ضابطہ اخلاق ہے جس پر اگر رسول کی طرح کوئی گامزن ہو اور آپ کے اسوہ اور سیرت پر عمل کرلے تو وہ منصب دار نبوت تو نہیں بن سکتا نہ اسے خلافت الہیہ نصیب ہوسکتی ہے البتہ ایمان کے دس درجوں تک ضرور پہونچ سکتا ہے۔ نو درجے آٹھ درجے کا مؤمن ضرور بن سکتا ہے جناب سلمان و ابوذر عمار، مقداد منصبدار نہ تھے۔ لیکن سراج منیر میں سے انہوں نے یوں کسب ضیا کی کہ اخلاق رسول کا نمونہ بن گئے اور اہل بیت میں شمار کئے جانے لگے۔ ع:

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی